تفسیر سورۂ والعصر

(مترجمہ مولوی محمد امین صاحب شوق مبارکپوری متعلم مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

۲۸ رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ کو مسجد امام شافعیؒ مصر میں حضرت جلالۃ الملک فاروق اول بادشاہ مصر، وزرار حکومت اور دیگر بڑے بڑے عمائدین شہر کی موجودگی میں علامہ مصر فقیہ وقت حضرت شیخ عبدالمجید صاحب مفتی دیار مصر نے اپنے مخصوص انداز میں سورہ والعصر کی تفسیر بیان کی تھی جسے مصر کے رسالہ "الھدی النبوی" نے شائع کیا ہے یہ تفسیر بہت سی مفید باتوں پر مشتمل ہے اسلئے ناظرین محدث کے استفادہ کی غرض سے ہم اُسے عربی سے اردو میں منتقل کرنیکا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ (مترجم)

موصوف نے حمد و نعت کے بعد فرمایا اما بعد اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ٥

حضرات آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں متعدد جگھوں پر اپنی بعض مخلوقات کی قسمیں کھائی ہیں اور ان قسموں کے ساتھ ساتھ ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کے متعلق ہر پڑھنے اور سننے والا اگر غور کرے تو بآسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ کی مخلوق اور اس کی قدرت کی مظہر ہیں مثلاً فرمایا گیا۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا الایہ پ۳۰ع ۱۶۔ یعنی قسم ہے سورج کی اور اس کی روشنی کی اور قسم ہے چاندکی جبکہ اسکے پیچھے آوے دوسری جگہ فرمایا وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى (پ ۲۷ع ۵) یعنی قسم ہے تارے کی جبکہ وہ ڈوب جائے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سے آیتوں میں جن جن چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں ان میں ان قسموں کے ساتھ ہی ان نشانیوں اور دلیلوں کی طرف بھی اشارہ کردیا ہے جو ان کے حادث اور فانی متبدل اور متغیر ہونے پر دلالت کرتی ہیں تاکہ ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید ہوجائے جو ان چیزوں کی غیر معمولی حیثیت کو دیکھکر ان پر فریفتہ ہوگئے۔ اور خود انھیں کو مالک و متصرف سمجھکر اپنا معبود بنا بیٹھے۔ حالانکہ یہ چیزیں خود قابل پرستش نہ تھیں بلکہ درحقیقت عبادت اور پوجا کے لائق تو وہ ذات ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور ایک خاص نظام کے ماتحت رکھکر جس طرح سے چاہا ان پر تصرف کیا۔

اسی طرح زمانے کے بعض مخصوص حصوں کی بھی قسمیں کھائی ہیں جیسے فرمایا وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى پ۳۰ع ۱۔ یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ چھپالے اور قسم ہے دن کی جبکہ وہ روشن ہوجائے۔ اس قسم سے "زمانے اور وقت" کی اہمیت ظاہر کرنی مقصود ہے۔ اور لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ وقت کتنی قابل قدر چیز ہے۔ تاکہ انسان اسکو ایک عبث اور فضول چیز تصور کرتے ہوئے کھیل کود، ہنسی مزاق، لغو اور بیہودہ باتوں میں نہ گزار دے۔ بلکہ اپنے خالق و منعم حقیقی کی عبادت میں مصروف و مشغول رہے اور ایسا عمل کرے جو اس کیلئے دونوں جہان میں مفید ثابت ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تھوڑے سے وقت کے مقابلہ میں ایک دوسری زندگی بھی بنائی ہے جہاں یا تو اس دنیاوی زندگی کے اعمال کے بدلے میں ایسی جنت اور ایسے باغات کا ابدی آرام نصیب ہوگا۔ جہاں ہر قسم کی راحت ہی راحت ہے۔ یا اُس آگ میں رہنا ہوگا جس کے ایندھن بدعمل انسان اور پتھر ہوں گے۔ پس جن چیزوں کی

اہمیت ہو مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قسمیں کھائے تاکہ غافل اور بے عمل اس کی اہمیت محسوس کرکے اپنی سرکشی اور گمراہی سے توبہ کریں اور ان قیمتی چیزوں کی قدر کریں۔

نیز زمانے کے بعض اجزاء یا خود زمانے کی قسم کھانے سے ان لوگوں کی تردید بھی مقصود ہے جو نحوست اور شر و فساد کو زمانے کی طرف منسوب کرکے اُسکو بُرا بھلا کہتے ہیں حالانکہ اس میں زمانے کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ تو انسان کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا نتیجہ ہیں۔ زمانہ تو حکم خدا کے ماتحت ہے۔ اسی کے فرمان سے آنا اور جانا، گذرنا اور فنا ہوتا رہتا ہے۔ اُسے کسی چیز کی برائی یا بھلائی میں فی نفسہٖ کیا دخل ہے؟ اور ساتھ ہی اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ زمانے میں جو آئے دن طرح طرح کے انقلابات اور عظیم الشان نشانیاں ظاہر ہوتی رہتی ہیں یہ فی الحقیقت اللہ کی زبردست قدرت اور بے نظیر حکمت کی روشن دلیل ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے زمانے کو رات دن، تاریکی، روشنی کی طرف منقسم فرمایا ہے۔ دن میں سورج کو روشنی بخشنے والا اور رات میں چاند اور ستاروں کو عالم میں اُجالا کرنیوالا بنایا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے یکے بعد دیگرے نکلنے اور کسی ایک کو دوسرے کے نہ پا لینے میں سمجھنے اور غور کرنے والوں کیلئے بے شمار دلائل وبینات ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (پ ۲۳ ع ۲) ترجمہ "اور رات ان کیلئے ایک بڑا نشان ہے جس میں سے ہم دن کھینچ کر الگ کر دیتے ہیں تب تو وہ اندھیرے میں رہجاتے ہیں اور سورج ہے کہ برابر اپنے مقررہ کام پر چلا جا رہا ہے۔ یہی ہے انتظام خدائے غالب دانا کا۔ اور چاند ہے کہ ہم نے (اسکی رفتار کی) منزلیں مقرر کردی ہیں (جس پر وہ چلتا رہتا ہے) یہانتک کہ (گھٹتے گھٹتے) وہ کھجور کی ایک پرانی ٹہنی کی طرح ہو جاتا ہے۔ نہ تو سورج ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے گھیرے کے درمیان تیر رہا ہے۔"

رات و دن کا گذرتے رہنا، کبھی گرمی و سردی کا بڑھ جانا، اور کبھی دونوں کا معتدل ہو جانا۔ کبھی فصل گل کی رعنائیاں، اور کبھی بادخزاں کی بربادیاں، کسی میں جانوروں اور انسانوں کا سکون اور راحت اختیار کرنا، اور کسی میں چلنا پھرنا اور کام کاج میں مشغول ہو کر اپنی معیشت کے اسباب مہیا کرنا۔ کیا یہ تمام چیزیں قدرت الٰہی کی کچھ کم نشانیاں ہیں؟ اسی طرح زمانے کی تقسیم سالوں، اور سالوں کی مہینوں میں، مہینوں کی دنوں، اور دنوں کی گھنٹوں میں ہونا بھی مظاہر قدرت کی گوناگوں بوالعجبیوں کی حامل ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی حکمتوں کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں "وَالْعَصْرِ" فرماکر "زمانے" کی قسم کھائی ہے چنانچہ مفسر قرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ میں والعصر سے مراد مطلقاً "زمانہ" اور "دہر" ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۔ یعنی ہر وہ انسان (خواہ مرد ہو یا عورت) جو عاقل بالغ، اور شریعت کا مکلف ہے کسی نہ کسی نقصان (دنیوی ہو، یا اُخروی) سے ضرور دوچار ہوتا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ "مگر وہ لوگ جو کہ اللہ پر ایمان لائے۔ نیک عمل کئے اور باہم ایک دوسرے کو حق وصبر کی وصیت بھی کرتے رہے" اس آیت میں نقصان اور نامرادی سے بچنے والوں کی جن جن صفتوں کا ذکر ہے ان کی تفصیل سنئے۔ سب سے پہلی چیز ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان اور اس کے اوصاف و اعمال نیز

اہل ایمان اور پھر ایمان کے دینی و دنیاوی فوائد اور نتائج بھی خود قرآن مجید ہی میں بالتفصیل بیان کردیئے ہیں چنانچہ ارشاد ہے :-

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (پ۳ ع۸) ترجمہ اللہ کا رسول (اس کلام) پر ایمان رکھتا ہے جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس پر نازل ہوا ہے اور جو لوگ (دعوت حق پر) ایمان لائے ہیں۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں (انکے ایمان کا دستور العمل یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی کو دوسرے سے جدا نہیں کرتے (کہ اسے مانیں، دوسروں کو نہ مانیں۔ یا سب کو مانیں مگر کسی ایک سے انکار کردیں) ہم خدا کے تمام رسولوں کی یکساں طور پر تصدیق کرنے والے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ ج وَبِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ یُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - (پ۱ ع۱) ترجمہ متقی انسان وہ ہیں) جو غیب (نگاہوں سے اوجھل باتوں) پر یقین رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انھیں دے رکھا ہے اس میں سے (نیکی کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں نیز وہ لوگ جو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو تم پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) نازل ہوئی ہے اور ان تمام (کتابوں) پر جو تم سے پہلے (یعنی پیغمبر اسلام سے پہلے) نازل ہوچکی ہیں (ساتھ ہی) آخرت کی (زندگی) کا بھی ان کو یقین ہو۔ تو یقیناً یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے (بتائے ہوئے) صحیح راستہ پر ہیں اور یہی لوگ ہیں جو (دنیا اور آخرت میں) کامیاب ہونگے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ الآیہ (پ۲ ع۶) ترجمہ نیکی اور بھلائی (کی راہ) یہ نہیں ہے کہ تم نے (عبادت کیوقت) اپنا منہ پورب کی طرف پھیر لیا یا پچھم کی طرف کرلیا (یا اسی طرح کی کوئی دوسری بات ظواہر و رسوم کی کرلی) نیکی کی راہ تو ان لوگوں کی راہ ہے جو اللہ پر، آخرت کے دن پر، ملائکہ پر، آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ (پ۲۶ ع۱۴) ترجمہ مومنین وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور اس کے رسول پر پھر شک نہیں رکھتے اور جہاد کرتے ہیں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ذریعہ راہ خدا میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہ سچے ہیں۔

قرآن مجید کی ان تصریحات کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایمان کی تعریف حضرت جبرئیلؑ کے پوچھنے پر یوں بیان فرمائی ہے اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْ تُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ - (صحیحین) ترجمہ (اصل ایمان) یہ ہے کہ تم اللہ، اس کی کتاب، اس کے ملائکہ، اس کے رسولؐ، قیامت، اور تقدیر الٰہی (جو بظاہر اپنے علم میں بھلی ہو یا بری) کا یقین رکھو۔ ان آیات و حدیث سے اس ایمان کی حقیقت روشن ہوچکی جسکو اللہ پسند کرتا ہے۔ اور جس کی طرف اپنے بندوں کو دعوت دیتا ہے تاکہ وہ اس کی بدولت فلاح یاب ہوسکیں۔

لیکن آج عام طور پر مسلمان جس . . . . . . ایمان کا نہایت بلند آہنگی کے ساتھ دعوی کررہے ہیں یہ محض رسمی اور تقلیدی ایمان ہے۔ اسے اصلی و حقیقی ایمان نہیں کہا جاسکتا اسلئے کہ اصلی ایمان اس کا نام نہیں کہ آبا و اجداد کی تقلید میں اختیار کیا گیا

ہو، بلکہ اصلی اور حقیقی ایمان تو وہ ہے جس کا تعلق روح، قلب، وجدان اور اعمال کے ساتھ نہایت گہرا اور سخت ہو۔ مگر افسوس آج کتنے ایسے بد نصیب افراد اور جماعتیں دنیا میں موجود ہیں جو اپنے آپ کو ایماندار تو سمجھتی ہیں لیکن یہ ایمان نہ ان کو برائیوں سے باز رکھتا ہے اور نہ بھلائیوں کی دعوت دیتا ہے۔ جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ ایمان وہ نہیں جس کا تعلق روح کی پاکیزگی اور قلب کی تطہیر سے ہے۔ تو پھر آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایمان حقیقی کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی بنا پر نقصان و خسران سے بچنے کی کیونکر توقع کی جا سکتی ہے؟ سنئے! حقیقی ایمان تو وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ (پ۹ ع۱۶) ترجمہ: مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو نماز قائم کرتے ہیں۔ اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے، اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔ بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کیلئے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں! اور بخشایش، اور بڑی خوبی و عزت کی روزی!"

دوسری صفت اللہ تعالیٰ نے نقصان سے بچنے والوں کی یہ فرمائی ہے کہ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی اچھے اور نیک کام کئے۔ نیک کام وہی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا اور اس کے کرنیوالے سے خوش ہوتا ہے، انھیں پر انسان کی اصلاح و فلاح اور دونوں جہان کی سعادت و نجاح کا دارومدار ہے۔ اچھے کام کا تعلق یا تو ظاہری اعضا (مثلاً ہاتھ پاؤں، زبان وغیرہ) سے ہوتا ہے جیسے صدقات و خیرات کرنا، ضعیفوں اور کمزوروں کی امداد کرنا، مظلوموں کی یاری و نصرت کرنا، زبان سے سچی اور اچھی بات کہنا، نماز پڑھتے رہنا وغیرہ۔ یا ان کا تعلق باطن سے ہے جس سے قلب کو سکون اور نفس کو زینت حاصل ہوتی ہے یعنی اپنے اندر اخلاق حمیدہ کا پیدا کرنا جیسے اللہ اور رسول کی محبت اور جس کو یہ دونوں محبوب رکھیں اس سے محبت کرنا اور جس سے یہ دشمنی رکھیں ان کو اپنا دشمن جاننا، ایفاء عہد، اخلاص و احسان وغیرہ کا خوگر ہو جانا۔ الغرض ہر وہ چیز "عمل صالح" ہے جو حسن عمل کی بنیاد اور نیکی و رواداری کا سرچشمہ ہو۔ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ نے انھیں بالتفصیل بیان کر دیا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ سچے اور پکے مومن سے نیک اعمال کا صادر ہونا ضروری اور لازمی ہے جیسے سورج کیلئے روشنی اور دن کیلئے نور۔

تیسری صفت یہ فرمائی کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ یعنی آپس میں ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی۔ تواصی کے معنی ہیں باہم ایک دوسرے کو نیک باتوں کی تلقین کرتے رہنا۔ اور جب کبھی اس فرض منصبی میں کوتاہی اور سستی برتی جانے لگے تو وصیت پر برقرار رہنے کا اقرار اور وعدہ لیتے رہنا۔ "حق" باطل کا ضد ہے۔ چونکہ "حق" ایک متحقق متعین، اور موجود واقعی کا نام ہے اسلئے باطل اُسے کہیں گے۔ جس کا حقیقتاً کوئی وجود ہی نہ ہو، یا ہو، لیکن اس کی مضرت، اس کا شر اور اس کے مہلک اثرات اسکو اس لائق بنا دیتے ہیں کہ اس کا عدم، وجود سے زیادہ انسب، و اولیٰ قرار پاتا ہے۔ یعنی وہ اس لائق ہے کہ ہمیشہ معدوم ہی رہے، اس کا وجود میں آنا مناسب نہیں۔ پس حق وہ ہے جو سراپا خیر ہی خیر ہو، یا خیر شر پر، نفع، نقصان پر غالب ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اپنے دین، اپنے وعدے، اور خود اپنی ذات کو بھی "حق" سے تعبیر کیا ہے۔ پس حق کا لفظ ایک ایسا جامع کلمہ ہے جو انسان کی ہر

دنیاوی و اخروی کامرانی و فائز المرامی کو محیط ہے۔ حقوق تو بیشمار ہیں مثلاً اللہ کا حق بندوں پر، انسان کا اپنے نفس پر، مرد کا عورت پر، عورت کا مرد پر، والدین کا بچے پر، بچے کا والدین پر، دوست کا دوست پر، بادشاہ کا رعیت پر، اور رعیت کا بادشاہ پر، الغرض اَن گنت ایسے حقوق ہیں جن کی حفاظت و نگہداشت پر اللہ تعالیٰ نے ہماری اخروی نجات اور دنیوی کامیابی کا انحصار رکھا ہے۔ لیکن ان تمام حقوق کی اصل اور جامع حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ جو شخص ان حقوق کی (جن کا ذکر حدیث مندرجہ ذیل میں ہے) پوری پابندی کے ساتھ ادائیگی و حفاظت کریگا تو یقیناً وہ دیگر تمام حقوق کی بجا آوری پر بھی بآسانی قادر ہو جائیگا۔

عَنْ مُعَاذٍ اِذْ قَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَدْرِیْ یَا مُعَاذُ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ ؟ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا۔ اَتَدْرِیْ مَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اِذَا ھُمْ فَعَلُوْا ذَالِکَ اَنْ لَّا یُعَذِّبَھُمْ ترجمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے معاذ (رضی اللہ عنہ) کیا تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ (سنو) اللہ کا حق بندے پر یہ ہے کہ بندہ اللہ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ جانے۔ اور کیا تمہیں علم ہے کہ بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے؟ (اسے بھی سنو) بندے کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ بندہ اگر اس کی عبادت خلوص کے ساتھ بجالائے، اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانے تو وہ اس پر عذاب نہ کرے۔ الغرض اگر فلاح مقصود ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ ان حقوق کا خود خیال رکھے۔ اور دوسرے کو بھی انکی ادائیگی اور تحفظ کی تلقین کرتا رہے۔

چوتھی صفت باری تعالیٰ نے فرمائی وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کی "صبر" کے شرعی معنی ہیں احکام شرعیہ اور اطاعت الٰہیہ پر مستعد رہنا اور اپنے نفس کو اس کی تعمیل پر مجبور کرنا، اسی طرح ہر قسم کی برائیوں اور خطا کاریوں اور گناہوں سے نفس کو بچانے کی کوشش کرنا، پس اگر اسے تمام اخلاق سعیدہ اور صفات حمیدہ کا واحد سرچشمہ کہا جائے تو بجا ہے بلکہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھکر صبر کو جزو ایمان بتایا جائے تو مبالغہ نہیں۔ لَا یَرْجُوَنَّ عَبْدٌ اِلَّا رَبَّہٗ، وَلَا یَخَافَنَّ اِلَّا ذَنْبَہٗ، وَلَا یَسْتَحْیِ مَنْ لَّا یَعْلَمُ اَنْ یَّتَعَلَّمَ وَلَا یَسْتَحْیِیْ اِذَا سُئِلَ عَمَّا لَا یَعْلَمُ اَنْ یَّقُوْلَ: لَا اَعْلَمُ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَنْزِلَۃَ الصَّبْرِ مِنَ الْاِیْمَانِ کَمَنْزِلَۃِ الرَّاْسِ مِنَ الْجَسَدِ، فَاِذَا ذَھَبَ الرَّاْسُ ذَھَبَ الْجَسَدُ، وَاِذَا ذَھَبَ الصَّبْرُ ذَھَبَ الْاِیْمَانُ ۔ بندہ کو سوائے خدا کے کسی سے بھی امید نہ رکھنی چاہئے، اور اپنے گناہوں کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔ اور جو چیز نہ آتی ہو اس کے سیکھنے میں شرمانا نہیں چاہئے، اور جس چیز کا علم نہ ہو اگر اس کی بابت دریافت کیا جائے تو اپنی لاعلمی اور عدم واقفیت کے اعتراف کرلینے میں ہرگز جھجھک نہ محسوس کرنی چاہئے۔ اور یقین جانو کہ صبر کا ایمان کے ساتھ وہی تعلق ہے جو سر کا جسم کے ساتھ۔ اگر جسم سے سر جدا کردیا جائے تو دھڑ کس کام کا؟ ٹھیک اسی طرح اگر "صبر" نہ ہو اور اس کو کھودیا جائے تو ایمان کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ تقریباً نوے جگہ قرآن پاک میں مختلف عنوانوں سے اس کا ذکر آیا ہے۔ کبھی اس کی تعمیل و پابندی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ پ ۴ ع ۶ ۔ اے پیروان دعوت ایمانی! اگر کامیابی و سعادت حاصل کرنی چاہتے ہو تو ساری باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ) صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو، ایک دوسرے کے ساتھ بندھ

جاؤ، اور (ہر حال میں) خدا سے ڈرتے رہو۔ تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو! (وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ پ۱۴ ع۲۲) (اے پیغمبر!) صبر کرو اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے۔ اور کبھی اس کو اپنی نصرت و مدد حاصل کرنے کیلئے شرط گردانا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝ (پ۴ ع۴) ترجمہ ہاں، بلاشبہ، اگر تم صبر کرو اور تقوی کی راہ اختیار کرو، اور پھر ایسا ہو کہ دشمن اسی دم تم پر چڑھ آئے تو تمہارا پروردگار (صرف تین ہزار فرشتوں ہی سے نہیں بلکہ) پانچ ہزار نشان رکھنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کریگا (اور ان کی کثرت وطاقت تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکے گی۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہ صبر کرنے والوں کو یہ بشارت سنا دیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہے اور اللہ کے نزدیک یہی لوگ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور اسی "صبر" کے ساتھ اللہ نے اپنے بہت سے مخلصین بندوں کی مدح سرائی بھی فرمائی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ پ۲۳ ع۱۳) ترجمہ بیشک ہم نے تو اسے صابر پایا وہ بہت ہی اچھا بندہ ہے۔ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنیوالا ہے اور خاتم انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بھی ارشاد ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پ۲۶ ع۴) ترجمہ تو بھی استقلال پر قائم رہ جیسا کہ اولوالعزم انبیا صبر واستقلال پر جمے رہے۔ اور نیز فرمایا گیا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ پ۲۳ ع۱) بلاشبہ صبر کرنے والوں کو بیشمار نیک بدلہ دیا جائیگا۔" اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں پر ان گنت اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے کسی نیک کام پر حاصل نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ پ۲ ع۳) اے پیروان دعوت ایمانی! صبر اور نماز (کی معنوی قوتوں) سے سہارا پکڑو (یہی دو قوتیں ہیں جن کے ذریعے تم راہ عمل کی مشکلوں اور آزمائشوں سے عہدہ برا ہو سکتے ہو۔ یقین کرو، (کہ نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے! غور کرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص معیّۃ، حفاظت، نصرت و تائید سے صابرین کو مشرف کیا اور ان کو ایک امتیازی رتبہ بخشا۔ اور یہ سب کے سب ایمان کے مدارج میں سے صبر کے بلند ترین درجہ میں ہونے پر واضح دلیل ہیں۔ اور صابر اس کے ذریعے دینی امامت وپیشوائی کے مرتبہ کو بھی حاصل کر سکتا ہے چنانچہ ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ پ۲۱ ع۱۶) ترجمہ اور ہم نے ان کو پیشوائے دین بنا دیا جو ہدایت کیا کرتے تھے ہمارے حکم کے موافق جبکہ انھوں نے استقلال دکھلایا۔ اور جبکہ وہ ہمارے احکام پر یقین رکھنے والے تھے۔" اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ ترجمہ اے اللہ میں تجھسے اپنے کاموں اور ارادوں میں ثابت قدمی اور سیدھے راستہ کی دعا کرتا ہوں اور فرماتے مَا اُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَاَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ کوئی شخص صبر سے زیادہ بہتر اور اکمل عطیہ اللہ کی طرف سے نہیں دیا گیا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان میں خلوص، پختگی اور شدت عطا فرمائے، اور ہمیں ان مومنوں میں بنائے جن کے عمل، صالح اور پسندیدہ ہیں۔ اور جو تواصی بالحق اور تواصی بالصبر پہ کاربند ہو کر ہر قسم کی خیبتہ وخسران، نامرادی ونقصان سے محفوظ ہیں۔ اللہم آمین